جاوید غامدی قرآن وسنت کو ماخذ قانون تسلیم نہیں کرتے!

ماخذات دین کے بارے میں اشراق کا نقطۂ نظر

جناب جاوید غامدی کا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن وسنت کو دین کا ماخذ سمجھتے ہیں اور جو شخص ان دو ماخذات کو ماخذ دین تسلیم نہ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ زبانی طور پر غامدی صاحب تمام مکاتب فکر کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں لیکن عملاً اور علماً وہ تمام مکاتب فکر کو دائرہ اسلام سے باہر سمجھتے ہیں کیونکہ سنت کی جو تعریف وہ متعین کرتے ہیں اس تعریف کو عالم اسلام کا کوئی مکتب فکر تسلیم نہیں کرتا اسلامی علمیت میں پہلے قرآن ہے پھر سنت غامدی صاحب اس ترتیب کو نہیں مانتے قرآن کی آیات کی جو تاویلات وہ پیش کرتے ہیں عالم اسلام میں کوئی مکتب ان کا ہم خیال نہیں ہے لہٰذا غامدی فرقے کے سوا تمام مکاتب فکر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ تمام مکاتب فکر سنت کی اس تعریف کو نہیں مانتے جو غامدی صاحب قرآن سے ثابت کرتے ہیں ان کے لفظوں میں سنت قرآن پر مقدم ہے اور سنت کی وہ تعریف جو غامدی صاحب نے طے کر دی وہی قطعی ہے اور حجت ہے سنت کا اس کے سوا کوئی دوسرا مطلب نہیں اس دعوے کی تحقیق کے لئے ۱۹۷۵ء سے ۲۰۰۵ء تک غامدی صاحب کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دین کا ماخذ نہ قرآن کو مانتے ہیں نہ سنت کو۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ ماخذ قانون کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا ماخذ کے اصول وقواعد غیر مبدل ہوتے ہیں لیکن غامدی صاحب قرآن وسنت کے دونوں ماخذات کی تعریف مسلسل بدلتے رہتے ہیں مثلاً قرآن کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن کی آیت کا مفہوم اس کے سیاق وسباق میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ [برہان ص ۲۵۶ سن ۲۰۰۶ء] قرآن میں ایک سے زیادہ تاویلات کی ہرگز گنجائش نہیں ہوتی [اصول ومبادی ص ۵۷ سن ۲۰۰۵ء] لیکن ۱۹۷۵ء سے ۲۰۰۸ء تک غامدی صاحب نے پردہ، حجاب، سزائے قتل، خواتین، طلاق، دعوت اتمام حجت، مرتدین کی سزا، جہاد، خروج، انقلاب، غلبہ دین، استخلاف فی الارض، حدود، زکوٰۃ کی شرح، مشرکین، اہل کتاب، بنی اسماعیل کے حوالے سے قرآن کی آیات کے تین تین اور چار چار مختلف معنی بیان کئے اس کی تفصیلات غامدی صاحب کی تحریروں برہان سن ۲۰۰۶ء اصول ومبادی سن ۲۰۰۰ء، اصول و مبادی سن ۲۰۰۵ء قانون دعوت سن ۱۹۹۶، دین کا صحیح تصور سن ۱۹۹۷ء میزان حصہ اول سن ۱۹۸۵، میزان سن ۲۰۰۲ اور اشراق اعلام کے تمام مجلدات میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً غامدی صاحب کے فلسفے میں پہلے قرآن کی رو سے عورت صرف طلاق لیتی تھی مرد طلاق دیتا تھا وہ کہتے تھے کہ مرد قرآن کی رو سے عورت کو حق طلاق تفویض نہیں کر سکتا یہ قرآن کے نص کی خلاف ورزی ہے اب عورت مرد کو طلاق دے سکتی ہے پہلے سنت سے ''ولی عورت کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا تھا'' اب ولی کے بغیر عورت جس سے چاہے نکاح کرے پہلے مسلمان مرد مشرک عورت اور مسلمان عورتیں کسی مشرک اور اہل کتاب سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں اب مسلمان عورتیں کسی بھی مشرک اور اہل کتاب سے نکاح کر سکتی ہیں۔ پہلے حکمران کا مرد وجیہہ اہل علم ہونا ضروری تھا اور اس کی دلیل حضرت طالوت والی آیت سے لی گئی تھی اب عورت بھی حکمران ہو سکتی ہے لہٰذا مسجد کی امامت بھی کر سکتی ہے پہلے جمہوریت قرآن وسنت کی رو سے باطل نظام تھا جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہ تھی اسلام اعیانی حکومت کا علمبردار تھا جس کی تفصیل اشراق جون ۱۹۸۹ء میں دیکھی جا سکتی ہے اب ٹی وی پر فرماتے ہیں کہ جمہوریت کو دین کے باب ایمانیات میں داخل کر دینا چاہیے یہ ایمان کا مسئلہ ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے ظاہر ہے یہ غلط دعویٰ ہے اور ایمانیات میں نئے ایمان کا اضافہ الحاد

کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے بیوی شوہر کی اطاعت کی پابند تھی شوہر کی اطاعت قرآن کی نص سے ثابت کی گئی تھی لیکن ارتقاء کے بعد اب نص بدل گئی پہلے قرآن پہلا ماخذ تھا اور سنت وحدیث دوسرا ماخذ اب سنت قرآن پر مقدم ہے وہ پہلے ماخذ ہے اس کے بعد قرآن ماخذ قانون ہے پہلے قرآن کی رو سے تمام عورتوں کے لئے حجاب فرض تھا اور گھر سے باہر ہر عورت کے لئے پردہ لازمی تھا اب یہ حجاب صرف ازواج مطہرات کے لئے اور عورت کا سر پر یا سینے پر اوڑھنی ڈالنا لازمی نہیں ہے پہلے عورتوں مردوں کے میل جول کے آداب کا نام ''قانون حجاب'' تھا اب عربیت کی رو سے حجاب ٹاٹ کا وہ پردہ ہے جو گھروں پر لٹکایا جاتا ہے لہٰذا قرآن اور شریعت کا قانون حجاب غامدی صاحب کی عربیت کی رو سے ''قانون ٹاٹ'' ہوگیا ہے۔ بے چارے غامدی صاحب کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ حجاب کا اصل مطلب ٹاٹ کا ٹکڑا ہے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۶ء تک وہ قانون حجاب اور پردے کی وکالت خواہ مخواہ کرتے رہے معلوم نہیں یہ کیسی عربی ہے جس کا فہم اس قدر تاخیر سے ہوا پہلے سنت ثابتہ، سنت متواترہ، سنت وحدیث، ماخذات دین تھے اور ان ماخذات کا وجوب قرآن کی آیات سے ثابت کیا گیا تھا اب یہ سنتیں ماخذ نہیں رہیں یہ عجیب ماخذ قانون ہے جو مستقل بدل رہا ہے ایک ہی آیت سے کبھی کچھ ثابت ہو رہا ہے کبھی کچھ اور ثابت کیا جا تا رہا ہے [ان تمام مباحث کے حوالے ساحل کے آئندہ شماروں میں حوالوں کے ساتھ ملاحظہ کیجیئے جس سے غامدی صاحب کے فکری ارتقاء کا اندازہ ہوگا جو ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا ہو بہو چربہ ہے]۔ سنت کے بارے میں بھی غامدی صاحب مسلسل نقطۂ نظر بدلتے رہتے ہیں لہٰذا سنت بھی ماخذ قانون نہیں رہا۔ الاعلام، اشراق کے شماروں میں سنت کے بدلتے ہوئے مفاہیم ان کی سیمابی علمیت کو واضح کر دیں گے۔ ۱۹۷۹ء میں غامدی صاحب سنت کا وہی مفہوم لیتے تھے جو جمہور اہل سنت اخذ کرتے ہیں ۱۹۸۲ء میں لکھتے ہیں سنت دین کا دوسری قطعی ماخذ ہے رسول کی حیثیت سے آپ کا ہر قول وفعل بجائے خود قانونی سند وحجت کی حیثیت رکھتا ہے آپ کو یہ مرتبہ کسی امام وفقیہہ نے نہیں دیا ہے خود قرآن نے آپ کا یہی مقام بیان کیا ہے کوئی شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کر دے اس کے لئے سنت کی قانونی حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔ [برہان، ص ۳۸، سن ۲۰۰۶ء] سنت ہر اس معاملے میں جس میں قرآن مجید خاموش ہے، بجائے خود ماخذ قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ [برہان ص ۴۱] سنت کو جو منصب قرآن مجید نے خود اپنے متعلق عطا فرمایا ہے وہ شارح کا منصب ہے یہی وہ کام ہے جس سے دین کی تشکیل ہوتی ہے اس حیثیت سے سنت کے جو احکام وقواعد ہمیں مختلف ذرائع سے معلوم ہوتے ہیں ان کی پیروی ہم پر لازم ہے اور وہ بھی اسی طرح قیامت تک کے لئے واجب الاطاعت ہیں جس طرح قرآن [برہان ص ۴۷] وحی خفی کے ذریعے سے اگر کوئی چیز پیغمبر کو ملتی ہے تو وہ قرآن کا حصہ نہیں بن جاتی پیغمبر کی حدیث اور سنت ہی کہلاتی ہے [برہان ص ۵۱]۔ سنت کا کوئی حکم کبھی قرآن کے خلاف نہیں ہوتا [برہان ص ۵۷] حضرت علی نے رجم سے پہلے قرآن مجید کے مطابق کوڑے لگوائے اور سنت کے مطابق رجم کیا ہے [برہان ص ۶۴] سنت صرف اس طریقے ہی کو نہیں کہتے جس کی ابتداء کوئی نبی کرے بلکہ نبی کی تصویب وتقریر کے نتیجے میں بھی سنت قائم ہوتی ہے۔ [برہان، ص ۳۰۷]

میزان حصہ اول سن ۱۹۸۵ء کے صفحات ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۹ پر سنت سے متعلق یہی تفصیلات مل جائیں گی، اشراق جون ۱۹۹۱ء کے مطابق اپنے استاد شیر محمد اختر کے نام خط میں غامدی صاحب لکھتے ہیں۔ ''داڑھی، ختنہ، اور اس طرح کی بے شمار دوسری چیزوں میں سنت کو مستقل بالذات شارع مان کر ہی دین میں شامل قرار دیتا ہوں۔ وحی غیر متلو کے وجود سے مجھے انکار نہیں قرآن یہاں خاموش ہے وہاں ہمیں کوئی حکم صرف سنت ہی کے ذریعے ملا ہے اس طرح کے معاملات میں سنت کو مستقل بالذات شارع مانتا ہوں اور اس کی اس حیثیت کے انکار کو بالکل ضلالت سمجھتا ہوں [اشراق جون ۱۹۹۱ص ۲۱] جنوری ۱۹۹۴ء کے اشراق میں لکھتے ہیں دین تین صورتوں میں ملا ہے، ۱۔ قرآن، ۲۔ سنت ثابتہ، ۳۔ حدیث [اشراق، جنوری، ص ۹۴] مارچ ۱۹۹۴ء میں ''اصول دین'' کے نام سے اشراق کے ص ۲۶ تا ۳۶ پر محیط بحث کا حاصل یہ ہے۔

نبیؐ سے یہ دین ہمیں دو صورتوں میں ملا ہے [۱] سنت ثابتہ [۲] حدیث احادیث کے بارے میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سنت ثابتہ اور عقل وفطرت کی اساس پر قائم ہوں اور کسی بھی پہلو سے ان کے منافی نہ ہوں اس صورت میں ان احادیث کی

حجیت مسلم ہے ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔[اشراق، ۴/مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۲۶ تا ۳۶] مئی ۱۹۹۴ء کے اشراق میں ص ۱۲ پر حدیث وسنت کا فرق ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔''حدیث وسنت کے اسی فرق کی وجہ سے اس امت کے اکابر نے ہمیشہ حدیث کو سنت متواترہ کے بعد تیسرا بڑا ماخذ مانا ہے اور اسے ہمیشہ سنت متواترہ سے الگ رکھا ہے''۔لیکن میزان طبع دوم اپریل ۲۰۰۰ ص ۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں''سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں علم وعقیدہ تاریخ،شان نزول اور اس کی طرح کی دوسری چیزوں کا سنت سے کوئی تعلق نہیں سنت معنی پٹے ہوئے راستے کے ہیں سنت کا لفظ ہی اس سے اِبا کرتا ہے کہ ایمانیات کی قسم کی کسی چیز پر اس کا اطلاق کیا جائے لہٰذا علمی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے اس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں'' قبل ازیں ہر اس معاملے میں جہاں قرآن خاموش ہے سنت ماخذ قانون تھی[برہان ص ۴۱] یعنی علم،عقیدہ،تاریخ،شانِ نزول علمی نوعیت کے مسائل سب سنت میں داخل تھے لیکن سولہ سال میں غامدی صاحب کی عربی اور علمیت کا ارتقاء ہوگیا اور سنت کی تعریف اسی قرآن اِسی عربی کی روشنی میں یکسر بدل گئی یہ عجیب عربی ہے جس میں سنت کا مطلب ۱۹۸۴ء میں کچھ اور تھا سن دوہزار میں کچھ اور ہو گیا جس طرح حجاب کا مطلب پہلے پردہ تھا ارتقاء کے بعد ٹاٹ کا وہ ٹکڑا ہو گیا جو آڑ کے لئے گھر پر لٹکایا جاتا ہے۔۱۹۹۷ء میں ایک تقریر میں سنت کی تعریف فرماتے ہیں''سنت سے مراد آپؐ کا وہ طریقہ یا راستہ ہے جسے آپؐ نے ملت ابراہیمی کے اتباع میں اپنے پیروکاروں میں دین کی حیثیت سے جاری کیا سنت تمام تر عملی چیزوں پر مشتمل ہے اصولی اور نظریاتی معاملات قرآن میں بیان ہوئے ہیں قرآن تھیوری ہے سنت پریکٹس ہے آپؐ نے دین کا جو عملی طریقہ سکھایا وہ بھی دین کا حصہ ہے اس کا اتباع لازم ہے جس عمل پر مکمل اتفاق نہ ہو وہ سنت نہیں سنت میں وسعت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ نے ایک ہی معاملے میں مختلف طریقوں پر عمل کی اجازت دی مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک جگہ آپؐ بیٹھ گئے حاضرین نے سوالات کئے آپؐ نے حج ایک خاص ترتیب سے ادا کیا تھا لوگ پوچھتے کہ ہم نے اس ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا آپ فرماتے جاتے کوئی ہرج نہیں گویا یہ سب افعال جو صحابہ نے انجام دیے سنت کے دائرے کے اندر تھے رسول اللہ نے خود اس کی اجازت دی سنت کی تفصیلات ڈاکٹر جواد کی کتاب المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام،خصری بکر کی کتاب تاریخ الشریع الاسلامی میں دیکھی جا سکتی ہے قرآن وسنت دونوں ایک سرچشمہ قدرت یعنی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اس لئے ان میں کوئی اختلاف تضاد نہیں ہو سکتا[۱۹۹۶ اور ۱۹۹۷ء میں کراچی اور لاہور میں مختلف تقاریر اور سوالات وجوابات پر مشتمل کیسٹوں سے اقتباسات] مئی ۱۹۹۸ء میں پہلی مرتبہ اشراق کے ص ۳۵ پر غامدی صاحب نے سنت کی ایک اور تعریف اور چالیس سنتوں کی فہرست پیش کی''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبیؐ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔اس سے پہلے جنوری ۱۹۹۸ء میں لاہور میں ایک تقریر میں چالیس سنتوں کی فہرست میں داڑھی شامل تھی لیکن اس فہرست سے داڑھی حذف کر دی گئی کراچی کی ایک نشست میں سوال ہوا تو جواب ملا داڑھی فطرت ہے اس لئے اسے سنت سے خارج کر دیا گیا اسی فہرست میں نماز جنازہ کو سنت ابراہیمی کہا گیا جبکہ عربوں میں نماز جنازہ کا رواج نہ تھا حضرت خدیجہؓ کی تدفین نماز جنازہ کے بغیر ہوئی شہدائے احد کی نماز جنازہ رسول اللہؐ نے بہت بعد میں ادا کی غامدی صاحب کے تمام دعوے اسی قسم کے ہیں اور جہاں موقف سے منحرف ہوتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ارتقاء ہو گیا ہے۔[کراچی،لاہور کی تقاریر کے اقتباسات] ۱۹۹۹ میں سنتوں کی جو فہرست جاری ہوئی اس میں داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت میں شامل تھا ۲۰۰۱ء تک یہ سنت برقرار رہی لیکن بعد میں یہ سنت ترک ہو گئی۔یعنی داڑھی رکھنا فرض تھا اور خلال کرنا سنت اب داڑھی رکھنا فرد کی مرضی پر منحصر ہے۔

سن دو ہزار میں اصول ومبادی کے نام سے دانش سراء نے ایک کتابچہ شائع کیا۔جس کے دیباچے میں غامدی صاحب نے اس کتاب کو معارف اسلامی کی تشکیل جدید [Re-construction of Religion Thought] کی حیثیت سے پیش کیا اس میں سنت کی یہ نئی تعریف پیش کی گئی۔''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبیؐ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد

اوراس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے اس کے بعد سنتوں کو چالیس کے ہندسے میں محصور کر کے بیان کیا گیا ہے [اصول ومبادی ص ۸ سن ۲۰۰۰] پھر لکھتے ہیں ''سنت یہی ہے اوراس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے اس کے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے دین لاریب انہی دوصورتوں میں ہے اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ میزان طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء منظر پر آئی تو اس کے ص ۱۰ پر سنتوں کی نئی فہرست بھی آئی اس فہرست میں تیرہ سنتیں کم کردی گئیں اور سنتوں کی تعداد صرف ۲۷ رہ گئی وضو، تیمّم، حرمین شریفین کی حرمت، ہدّی، طلاق، اشہرحرم، نماز جمعہ نماز کے لئے مساجد کا اہتمام اس فہرست سے خارج ہوگیا۔ فروری ۲۰۰۵ء میں اصول ومبادی کی تازہ اشاعت آئی تو اس میں سنتوں کی تعداد ۲۷ ہی رہی اور سنتوں کو عبادات، معاشرت، خورونوش اور رسوم وآداب کے عنوانات دیئے گئے لیکن ایک نئی سنت کا اضافہ کردیا گیا ۲۸ سالوں میں غامدی صاحب نے سنت کی کم ازکم ۲۸ تعریفیں پیش کی ہیں سوال یہ ہے کہ یہ کیسا قرآن ہے جس سے ۲۸ قسم کی مختلف اور متضاد سنتیں ثابت ہورہی ہیں اس کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی آیات سے ایک سے زیادہ تاویلات کی ہرگز گنجائش نہیں [اصول ومبادی ص ۵۷ سن ۲۰۰۵ء] اس کا دوسرا مطلب یہی ہے کہ نہ قرآن ماخذ قانون ہے نہ سنت منبع قانون کیونکہ دونوں مسلسل بدل رہے ہیں اور ماخذ ومنبع کبھی تبدیل نہیں ہوسکتے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا اخذ کریں کہ قرآن وسنت ماخذ قانون نہیں ہیں نفس غامدی ہی ماخذ ہے اگر شیطان غامدی صاحب کی اقلیم نفس سے ابھی تک باہر نہیں نکل سکا ہے تو غامدی صاحب اوران کا حلقہ اسے دنیا سے باہر کیسے نکال سکتا ہے۔ غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق ''ہر وہ چیز جو دین کی حیثیت سے حضورؐ سے ثابت نہیں ہے اسے دین کا حصہ قرار دینا بدعت ہے قرآن کا فرمان ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے اور باہر کی کسی چیز کو اسلام کا حصہ قرار دینا النساء ۱۳۵، المائدہ ۸ آل عمران ۸۵ کی روشنی میں غیر معقول رویہ ہے غامدی صاحب کی اس تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بدعتی ہیں کیونکہ وہ ۲۸ سال سے سنت کے نام پر رسول اللہ سے مختلف چیزیں منسوب کررہے ہیں اور نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اسے ارتقاء قرار دے کر سنتوں کی تعداد کبھی بڑھا دیتے ہیں کبھی گھٹا دیتے یں مثلاً ۱۹۹۹ میں نواقض۔ وضو، سنت میں شامل تھا لیکن حیض وجنابت کا غسل اس فہرست میں نہیں تھا البتہ میت کا غسل سنتوں کی فہرست میں شامل تھا بعد میں حیض ونفاس بھی سنت کے دائرے میں آگئے یہ دین کے ساتھ مذاق ہے۔ دین شریعت سنت کا دائرہ غامدی صاحب جب چاہتے ہیں گھٹا دیتے ہیں جب چاہتے ہیں وسیع کردیتے ہیں۔ اصول ومبادی کے دیباچے میں غامدی صاحب اس کتاب کو اپنے جلیل القدر استاد امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اس کتاب میں قرآن و سنت کا بحیثیت ماخذ قانون رد ہوتا ہے کیونکہ اس میں قرآن وسنت کی بعض نئی تعبیریں شامل کی گئیں جو غامدی صاحب کے ماضی کے موقف کے برعکس اور استاد امین احسن اصلاحی کے طے شدہ اصولوں سے عدم مطابقت رکھتی تھیں امین احسن اصلاحی واضح طور پر لکھتے ہیں کہ خیر القرون میں کسی مفتی، قاضی کے سامنے کوئی معاملہ لایا جاتا تو وہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتا جب اس میں کوئی واضح بات نہ ملتی تو پھر رسول کی سنت میں دیکھتا آخر میں اجتہاد سے کام لیتا سنت رسول اللہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کتاب اللہ سے بالکل الگ ہو یا اس کے خلاف ہو یا کتاب اللہ کی مرکزیت کو نقصان پہنچانے والی ہو سنت رسول الٰہی کتاب اللہ کی تشریح وتفسیر ہے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کی جو ہدایت کی گئی ہے تو یہ کتاب اللہ سے الگ کسی چیز کی طرح رجوع کرنے کی ہدایت نہیں کی گئی بلکہ کتاب اللہ ہی کی اس توضیح وتشریح کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی گئی ے جو صحیح طریقے سے نبیؐ سے ماثور ومنقول ہے ہمارے محقق علماء نے سنت کی یہی حقیقت سمجھی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے چنانچہ انہوں نے اپنے زمانے کے منکرین حدیث وسنت کو جو جوابات دیے ہیں اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے ص ۱۹، ۱۲۰ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل امین احسن اصلاحی، حوالہ ۱۹۹۱ء فاران فاونڈیشن] امین احسن اصلاحی نے سنت کی تعریف متعین کر کے جاوید غامدی صاحب کی تعریف سنت کو مسترد کردیا لہٰذا غامدی صاحب کا یہ لکھنا کہ اصول مبادی امین احسن اصلاحی کے فیضان تربیت کا نتیجہ ہے غلط بات ہے۔

اصلاحی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ’’جس طرح سنت کتاب الٰہی سے کوئی الگ چیز نہیں ہے اس طرح اجتہاد رائے بھی کتاب الٰہی اور سنت سے علیحدہ کوئی شئے نہیں ہے اجتہاد رائے سے مراد یہ ہے کہ جن پیش آنے والے معاملات کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی واضح بات موجود نہ ہو ان پر قرآن وسنت کے ارشادات کی رہنمائی میں غور کرکے یہ طے کرنا کہ ان میں کتاب اللہ اور سنت رسول سے لگتی ہوئی بات کیا ہوسکتی ہے شریعت نے اس کے لئے جو شرطیں رکھی ہیں ان کی رو سے اس کے اہل دین کی نہایت پختہ سمجھ، کتاب وسنت کے مزاج سے پوری مناسبت رکھتے ہوں پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا عملی اور اخلاقی درجہ اتنا بلند ہو کہ ان کی نسبت یہ شک شبہ نہ کیا جاسکتا ہو کہ وہ اللہ کے دین کے معاملے میں اپنی خواہشوں کو دراندازی کا موقع دیں گے [ص ۱۲۳ اسلامی ریاست فقہی اخلاقیات کا حل] غامدی صاحب اجتہاد کو ماخذ قانون نہیں مانتے ان کے استاد امین احسن اصلاحی اسے ماخذ تسلیم کرتے ہیں غامدی صاحب اجماع کو ماخذ نہیں مانتے لیکن اصلاحی صاحب اسے بھی ماخذ مانتے ہیں اصلاحی صاحب لکھتے ہیں صدر اول میں اجتہاد رائے کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے کوئی معاملہ آتا تو اس کو امیر یا اس کے مامور کے سامنے پیش کرتے معاملہ پیچیدہ ہوتا تو امیر اس کے لئے ارباب اجتہاد وفقہ کی مجلس شوریٰ بلاتا اس معاملے کو ان کے سامنے رکھتا پھر اجتماعی طور پر جو رائے طے پاتی اس کا اعلان کردیا جاتا یہی چیز ہے جس کو اجماع کہتے ہیں اور جس کو دین میں حجت ہونے کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ تمام فیصلے خلفائے راشدین نے خیر القرون کے ارباب علم واجتہاد کے مشورے سے کئے اس طرح کے فیصلوں کو ایک مستقل شرعی حجت کا درجہ حاصل تھا [ص ۲۸، فقہی اختلافات کا حل] غامدی صاحب اس مستقل شرعی حجت کو بھی ماخذ قانون نہیں مانتے اصلاً غامدی صاحب کا ماخذ قانون ان کا نفس ہے اس کے شریر تقاضوں کے تحت غامدی صاحب گزشتہ بیس سال سے اپنا موقف مستقل تبدیل کر رہے ہیں اگر وہ امین احسن اصلاحی کو امام مانتے تو کم از کم ان کے اصول کے مطابق ماخذات کو تو تسلیم کرتے لیکن ان کا واحد ماخذ ان کی خواہش نفس ہے جو ان کا الہٰ ہے۔ کیا ان تحریروں کو پڑھنے کے بعد یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ غامدی صاحب قرآن وسنت کو ماخذ تسلیم کرتے ہیں یہ کیسا ماخذ ہے جو مسلسل بدل رہا ہے غامدی صاحب کے شاگرد جواب دیں گے کہ یہ استاد محترم کا ارتقاء ہے یہ جواب درست ہے لیکن جواب کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اصل ماخذ قانون استاد محترم کا فہم دین ہے جیسے جیسے اس میں ارتقاء ہوتا ہے وہ بدلتا ہے اسی طرح ماخذ دین بھی بدلتے رہتے ہیں لیکن ظاہر ہے یہ ماخذات غامدی صاحب کے خودساختہ دین کے ہوسکتے ہیں دین اسلام کے نہیں ہوسکتے [جو احباب غامدی صاحب پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ کتابوں کی نقل ہم سے طلب کرسکتے ہیں]۔ غامدی صاحب کا ارتقاء اپنی نوعیت کا منفرد جہل ہے۔ ۱۹۹۰۔۱۹۹۱ میں غامدی صاحب ایک تقریر میں جو کراچی ولاہور میں کی گئی فرماتے ہیں کہ تمام فلاسفہ یونان یا عصر حاضر موحدین ہیں وجود خدا کے قائل ہیں اسی سے ان کے فلسفے میں وحدت کا عنصر پیدا ہوتا ہے [تقاریر کے کیسٹ] لیکن ’’مقامات‘‘ میں ارتقاء ہوگیا انہی موحد فلاسفہ اور خدا کے پرستار فلسفیوں کے بارے میں فرماتے ہیں ’’اس کی بنا اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ اس عالم کا عقدہ کسی مابعد الطبیعیاتی اساس کے بغیر بھی کھل سکتا ہے اور انسان کا مسئلہ خود اس کے بنانے والے کی رہنمائی کے بغیر بھی حل ہوسکتا ہے اسی اصول پر مغرب میں فلسفہ سائنس عمرانیات دوسرے علوم وفنون کا ارتقاء پچھلی دو صدیوں میں ہوا ہے اور جسے ابھی تک مغربی فکر میں اصل اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مغرب میں سب اہل فکر خدا کے منکر نہیں ہوگئے لیکن ان کی فکر کا بنیادی مقدمہ خدا کے انکار ہی پر استوار ہے [ص ۱۴۱، ۱۴۲ مقامات جولائی ۲۰۰۶ء] جس شخص کے ارتقاء کا یہ عالم ہو کہ چند سالوں پہلے فلاسفہ موحد تھے اب حامل کفر ہوگئے اس شخص کی علمی حیثیت ہی نہیں ذہنی حالت بھی مشکوک ہے افسوس ہے کہ ایسے لوگ ٹی وی کے ذریعے عہد حاضر میں عالم مشہور کردیے گئے ہیں۔

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے
اس حادثہ وقت کو کیا نام دیا جائے